فصل دوم

رسالتِ محمدیؐ پر ایمان لانے کی دعوت

(۵)

حضورؐ پر مجنون ہونے کا الزام

جو بے سروپا الزامات کفارِ قریش حضورؐ پر لگا رہے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ آپ معاذ اللہ مجنون ہیں۔ اِسی معنی میں وہ آپ کو مسحور (سحر زدہ یا جادو کا مارا ہوا آدمی) بھی کہتے تھے، اور یہی ان کے اس قول کا مطلب بھی تھا کہ آپ پر جن کا اثر ہے۔ قرآن مجید میں ان کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ:

وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ۔ (الصّٰفّٰت۔۳۶)	اور وہ کہتے ہیں "کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک مجنون شاعر کی خاطر چھوڑ بیٹھیں؟"

دوسری جگہ ان کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ:

وَقَالَ الظّٰلِمُونَ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا (الفرقان۔۸)	اور یہ ظالم کہتے ہیں کہ "تم تو بس ایک جادو کے مارے ہوئے آدمی کے پیچھے لگ گئے ہو"۔

ایک اور جگہ فرمایا گیا ہے:

أَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ۔ (المومنون۔۷۰)	کیا یہ کہتے ہیں کہ اِس پر جن کا اثر ہے؟ یعنی جن کے اثر سے یہ مجنون ہوگیا ہے)۔

ان سارے اعتراضات کا مطلب ایک ہی تھا، کیونکہ اہلِ عرب کے نزدیک آدمی کی دیوانگی کے وجوہ دو ہی تھے۔ یا تو کسی نے جادو کر کے اُسے پاگل بنا دیا ہو، یا کوئی جن اس پر مسلط ہوگیا ہو۔

قرآن مجید میں ان کے یہ اعتراضات دراصل یہ بتانے کے لیے نقل کیے گئے تھے کہ معترضین کس قدر عناد اور تعصب میں اندھے ہو چکے ہیں۔ اُن کے جو اعتراضات یہاں اور دوسرے مقامات پر بیان کیے گئے ہیں ان میں سے کوئی بھی اس لائق نہ تھا کہ اُس پر سنجیدگی کے ساتھ بحث کی جاتی۔ ان کا بس ذکر کر دینا ہی یہ بتانے کے

لیے کافی تھا کہ مخالفین کا دامن دلائل سے کس قدر خالی ہے اور وہ کیسی لچر اور پوچ باتوں سے ایک مدلل اصولی دعوت کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ ایک شخص کہتا ہے "لوگو! یہ شرک جس پر تمہارے مذہب و تمدن کی بنیاد قائم ہے ایک غلط عقیدہ ہے اور اس کے غلط ہونے کے یہ اور یہ دلائل ہیں"۔ جواب میں شرک کے برحق ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں کی جاتی۔ بس آوازہ کس دیا جاتا ہے کہ یہ جادو کا مارا ہوا آدمی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ کائنات کا سارا نظام توحید پر چل رہا ہے اور یہ یہ حقائق ہیں جو اس کی شہادت دیتے ہیں۔ جواب میں شور بلند ہوتا ہے جادوگر ہے۔ وہ کہتا ہے تم دنیا میں شترِ بے مہار بنا کر نہیں چھوڑ دیے گئے ہو بلکہ تمہیں اپنے رب کے پاس پلٹ کر جانا ہے، دوسری زندگی میں اپنے اعمال کا حساب دینا ہے اور اس حقیقت پر یہ اخلاقی اور یہ تاریخی اور یہ علمی و عقلی امور دلالت کر رہے ہیں۔ جواب میں کہا جاتا ہے شاعر ہے۔ وہ کہتا ہے میں خدا کی طرف سے تمہارے لیے تعلیمِ حق لے کر آیا ہوں اور یہ ہے وہ تعلیم۔ جواب میں اس تعلیم پر کوئی بحث و تنقید نہیں ہوتی۔ بس بلا ثبوت ایک الزام چسپاں کر دیا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ کہیں سے نقل کر لیا گیا ہے۔ وہ اپنی رسالت کے ثبوت میں خدا کے معجزانہ کلام کو پیش کرتا ہے، خود اپنی زندگی اور اپنی سیرت و کردار کو پیش کرتا ہے اور اس اخلاقی انقلاب کو پیش کرتا ہے جو اس کے اثر سے اس کے پیروؤں کی زندگی میں ہو رہا ہے۔ مگر مخالفت کرنے والے ان میں سے کسی چیز کو بھی نہیں دیکھتے۔ پوچھتے ہیں تو یہ پوچھتے ہیں کہ تم کھاتے کیوں ہو؟ بازاروں میں کیوں چلتے پھرتے ہو؟ تمہاری اَردل میں کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا ہے؟ تمہارے پاس کوئی خزانہ یا باغ کیوں نہیں ہے؟ یہ باتیں خود ہی بتا رہی تھیں کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور کون اس کے مقابلے میں عاجز آکر بے تکی ہانک رہا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ (سبا-۴۶)	اے نبیؐ، ان سے کہو کہ "میں تمہیں بس ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں۔ خدا کے لیے تم اکیلے اکیلے اور دو دو مل کر اپنا دماغ لڑاؤ اور سوچو، تمہارے رفیق میں آخر ایسی کونسی بات ہے جو جنون کی ہو؟ وہ تو ایک سخت عذاب کی آمد سے پہلے تم کو متنبہ کرنے والا ہے۔"

یعنی اغراض اور خواہشات اور تعصبات سے پاک ہو کر خالصتہً للہ غور کرو۔ ہر شخص الگ الگ بھی نیک نیتی کے ساتھ سوچے اور دو دو چار چار آدمی سر جوڑ کر بھی بے لاگ طریقے سے ایک دوسرے کے ساتھ بحث کر کے تحقیق کریں کہ آخر وہ کیا بات ہے جس کی بنا پر آج تم اُس شخص کو مجنون ٹھیرا رہے ہو جسے کل تک تم اپنے درمیان نہایت

دانا آدمی سمجھتے تھے؟ آخر نبوت سے تھوڑی ہی مدت پہلے کا تو واقعہ تھا کہ تعمیر کعبہ کے بعد حجرِ اسود نصب کرنے کے مسئلے پر جب قبائل قریش باہم لڑ پڑے تھے تو تم ہی لوگوں نے بالاتفاق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم تسلیم کیا تھا اور انہوں نے ایسے طریقے سے اس جھگڑے کو چکایا تھا جس پر تم سب مطمئن ہو گئے تھے۔ جس شخص کی عقل و دانش کا یہ تجربہ تمہاری ساری قوم کو ہو چکا ہے، اب کیا بات ایسی ہو گئی کہ تم اسے مجنون کہنے لگے؟ ہٹ دھرمی اور ضد کی بات تو دوسری ہے، مگر کیا واقعی تم اپنے دلوں میں بھی وہی کچھ سمجھتے ہو جو اپنی زبانوں سے کہتے ہو؟ وہ تمہیں ایک سخت عذاب کے آنے سے پہلے خبردار کر رہا ہے۔ کیا یہی وہ قصور ہے جس کی بنا پر تم اسے جنون کا مریض ٹھیراتے ہو؟ کیا تمہارے نزدیک عقلمند وہ ہے جو تمہیں تباہی کے راستے پر جاتے دیکھ کر کہے کہ شاباش، بہت اچھے جا رہے ہو؟ اور مجنون وہ ہے جو تمہیں برا وقت آنے سے پہلے خبردار کر دے اور فساد کی جگہ صلاح کی راہ بتائے؟

اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ (المومنون ۷۰) — کیا یہ کہتے ہیں کہ اس شخص کو جنون ہے؟

یعنی کیا ان کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ واقعی یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون سمجھتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ اس کی اصل وجہ نہیں ہے۔ کیونکہ زبان سے چاہے وہ کچھ ہی کہتے رہیں، دلوں میں تو وہ اُن کی دانائی و زیرکی کے قائل ہیں۔ علاوہ بریں ایک پاگل اور ایک ہوشمند آدمی کا فرق کوئی ایسا چھپا ہوا تو نہیں ہوتا کہ دونوں میں تمیز کرنا مشکل ہو۔ آخر ایک ہٹ دھرم اور بے حیا آدمی کے سوا کون اِس کلام کو سن کر یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ کسی دیوانے کا کلام ہے؟ اور اِس شخص کی زندگی کو دیکھ کر کون یہ رائے ظاہر کر سکتا ہے کہ یہ کسی مخبوط الحواس آدمی کی زندگی ہے؟ بڑا ہی عجیب ہے وہ جنون (یا مستشرقین مغرب کی بکواس کے مطابق مرگی کا دورہ) جس میں آدمی کی زبان سے قرآن جیسا کلام نکلے اور جس میں آدمی ایک تحریک کی ایسی کامیاب رہنمائی کرے کہ اپنے ہی ملک کی نہیں، دنیا بھر کی قسمت بدل ڈالے۔

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ۔
وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ۔
وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۔
(القلم ۲ تا ۴)

اے نبی، تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہو۔ اور یقیناً تمہارے لیے ایسا اجر ہے جس کا سلسلہ کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ اور بیشک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو۔

اس مقام پر یہ بات نگاہ میں رہنی چاہیے کہ یہاں خطاب بظاہر تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا، لیکن

اصل مقصود کفار کو اُن کی تہمت کا جواب دینا تھا۔ لہٰذا کسی شخص کو یہ شبہہ نہ ہو کہ یہ آیت حضورؐ کو یہ اطمینان دلانے کے لیے نازل ہوئی تھی کہ آپ مجنون نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ حضورؐ کو اپنے متعلق تو ایسا کوئی شبہہ نہ تھا کہ اُسے دُور کرنے کے لیے آپ کو یہ اطمینان دلانے کی ضرورت ہوتی۔ مدعا کفار سے یہ کہنا تھا کہ تم جس قرآن کی وجہ سے اُس کے پیش کرنے والے کو مجنون کہہ رہے ہو وہی تمھارے اِس الزام کے جھوٹے ہونے کی دلیل ہے۔ البتہ حضورؐ کو جس بات کی تسلی دی گئی تھی وہ یہ تھی کہ آپ کے لیے بے حساب اور لازوال اجر ہے کیونکہ آپ خلقِ خدا کی ہدایت کے لیے جو کوششیں کر رہے ہیں اُن کے جواب میں آپ کو ایسی ایسی اذیت ناک باتیں سُننی پڑ رہی ہیں اور پھر بھی آپ اپنے اس فرض کو انجام دیے چلے جا رہے ہیں۔

پھر یہ بتایا گیا کہ آپ کے بلند اخلاق اِس بات کا صریح ثبوت ہیں کہ کفار آپ پر دیوانگی کی جو تُہمت رکھ رہے ہیں وہ سراسر جھوٹی ہے، کیونکہ اخلاق کی بلندی اور دیوانگی، دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔ دیوانہ وہ شخص ہوتا ہے جس کا ذہنی توازن بگڑا ہوا ہو اور جس کے مزاج میں اعتدال باقی نہ رہا ہو۔ اِس کے برعکس آدمی کے بلند اخلاق اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ وہ نہایت صحیح الدّماغ اور سلیم الفطرت انسان ہے اور اُس کا ذہن اور مزاج غایت درجہ مُتوازن ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق جیسے کچھ تھے، اہلِ مکہ اُن سے ناواقف نہ تھے۔ اس لیے اُن کی طرف محض اشارہ کر دینا ہی اس بات کے لیے کافی تھا کہ مکہ کا ہر معقول آدمی یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ وہ لوگ کس قدر بے شرم ہیں جو ایسے بلند اخلاق آدمی کو مجنون کہہ رہے ہیں۔ اُن کی یہ بیہودگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہیں بلکہ خود اُن کے لیے نقصان دہ تھی کہ مخالفت کے جوش میں پاگل ہو کر وہ آپ کے متعلق ایسی بات کہہ رہے تھے جسے کوئی ذی فہم آدمی قابلِ تصوّر نہ مان سکتا تھا۔ یہی معاملہ اُن مُدعیانِ علم و تحقیق کا بھی ہے جو اِس زمانے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مرگی اور جنون کی تُہمت رکھ رہے ہیں۔ قرآن پاک دنیا میں ہر جگہ مل سکتا ہے، اور حضورؐ کی سیرت بھی اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ لکھی ہوئی موجود ہے۔ ہر شخص خود دیکھ سکتا ہے کہ جو لوگ اس بے مثل کتاب کے پیش کرنے والے اور ایسے بلند اخلاق رکھنے والے انسان کو ذہنی مریض قرار دیتے ہیں وہ عداوت کے اندھے جذبے سے مغلوب ہو کر کیسی لغویات کہہ رہے ہیں۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ	کیا اِن لوگوں نے کبھی سوچا نہیں؟ ان کے رفیق پر
مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ	جنون کا اثر نہیں ہے۔ وہ ایک صاف صاف خبردار

مُّبِيْنٌ ۔ (الاعراف ۔۱۸۴) کر دینے والا ہے ۔

رفیق سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ آپ مکہ ہی کے لوگوں میں پیدا ہوئے، انہی کے درمیان بسے بچے سے جوان اور جوان سے بوڑھے ہوئے ۔ نبوت سے پہلے ساری قوم آپ کو ایک نہایت سلیم الطبع اور صحیح الدماغ آدمی کی حیثیت سے جانتی تھی ۔ نبوت کے بعد جب آپ نے خدا کا پیغام پہنچانا شروع کیا تو یکایک آپ کو مجنون کہنے لگی ۔ ظاہر ہے کہ یہ حکم جنون اُن باتوں پر نہ تھا جو آپ نبی ہونے سے پہلے کرتے تھے ۔ بلکہ صرف اُنہی باتوں پر لگایا جا رہا تھا جن کی آپ نے نبی ہونے کے بعد تبلیغ شروع کی ۔ اسی وجہ سے فرمایا جا رہا ہے کہ اِن لوگوں نے کبھی سوچا بھی ہے ؟ آخر اِن باتوں میں سے کون سی بات جنون کی ہے ؟ کونسی بات بے تکی ، بے اصل اور غیر معقول ہے ؟ اگر یہ آسمان و زمین کے نظام پر غور کرتے یا خدا کی بنائی ہوئی کسی چیز کو بھی بنظرِ تامّل دیکھتے تو انہیں خود معلوم ہو جاتا کہ شرک کی تردید، توحید کے اثبات ، بندگیِ رب کی دعوت اور انسان کی ذمہ داری و جواب دہی کے بارے میں جو کچھ اِن کا بھائی اِنہیں سمجھا رہا ہے اس کی صداقت پر یہ پورا نظامِ کائنات اور خلق اللہ کا ذرّہ ذرّہ شہادت دے رہا ہے ۔

شاعری کا الزام کفارِ قریش حضورؐ پر شاعر ہونے کا الزام بھی رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا ہم ایک شاعر مجنون کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں ۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا :

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۔ (الشعراء آیت ۲۲۴) اور شعراء کے پیچھے تو بہکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں ۔

یعنی شاعروں کے ساتھ لگے رہنے والے لوگ اپنے اخلاق ، عادات و خصائل اور اُفتادِ مزاج میں اُن لوگوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمہیں نظر آتے ہیں ۔ دونوں گروہوں کا فرق ایسا کھلا ہوا فرق ہے کہ ایک نظر دیکھ کر ہی آدمی جان سکتا ہے کہ یہ کیسے لوگ ہیں اور وہ کیسے ۔ ایک طرف انتہائی سنجیدگی ، تہذیب ، شرافت ، راستبازی اور خدا ترسی ہے ۔ بات بات میں ذمہ داری کا احساس ہے ۔ برتاؤ میں لوگوں کے حقوق کا پاس و لحاظ ہے ۔ معاملات میں کمال درجہ کی دیانت و امانت ہے ۔ اور زبان جب کھلتی ہے خیر ہی کے لیے کھلتی ہے، شر کا کلمہ اُس سے کبھی ادا نہیں ہوتا ۔ سب سے زیادہ یہ کہ اِن لوگوں کو دیکھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ اِن کے سامنے ایک بلند اور پاکیزہ نصب العین ہے جس کی دُھن میں یہ رات دن لگے رہتے ہیں اور اِن کی ساری زندگی ایک مقصدِ عظیم کے لیے وقف ہے ۔ دوسری طرف حال یہ ہے کہ کہیں عشق بازی اور شراب نوشی کے مضامین بیان ہو رہے ہیں اور

حاضرین اُچھل اُچھل کر ان پر داد دے رہے ہیں۔ کہیں کسی زنِ بازاری یا کسی گھر کی بہو بیٹی کا حُسن موضوعِ سخن ہے اور سننے والے اس پر مزے لے رہے ہیں۔ کہیں جنسی مواصلت کی حکایت بیان ہو رہی ہے اور پورے مجمع پر شہوانیت کا بھوت مسلط ہے۔ کہیں ہزل بکا جارہا ہے یا مسخرہ پن کی باتیں ہو رہی ہیں اور مجمع میں ہر طرف ٹھٹھے لگ رہے ہیں۔ کہیں کسی کی ہجو اُڑائی جارہی ہے اور لوگ اس سے لُطف لے رہے ہیں۔ کہیں کسی کی بے جا تعریف ہو رہی ہے اور اُس پر تحسین و آفرین کے ڈونگرے برسائے جارہے ہیں۔ اور کہیں کسی کے خلاف نفرت، عداوت اور انتقام کے جذبات بھڑکائے جارہے ہیں اور سننے والوں کے دلوں میں ان سے آگ سی لگی جاتی ہے۔ اِن مجلسوں میں شاعروں کے کلام سننے کے لیے جو ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگتے ہیں اور بڑے بڑے شاعروں کے پیچھے جو لوگ لگے پھرتے ہیں ان کو دیکھ کر کوئی شخص یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ اخلاق کی بندشوں سے آزاد، جذبات و خواہشات کی رَو میں بہنے والے، اور لُطف و لذت کے پرستار، نیم حیوان قسم کے لوگ ہیں جن کے ذہن کو کبھی یہ خیال چھو بھی نہیں گیا ہے کہ دنیا میں انسان کے لیے زندگی کا کوئی بلند مقصد اور نصب العین بھی ہو سکتا ہے۔ اِن دونوں گروہوں کا کھلا کھلا فرق و امتیاز اگر کسی کو نظر نہیں آتا تو وہ اندھا ہے، اور اگر سب کچھ دیکھ کر بھی کوئی محض حق کو نیچا دکھانے کے لیے ایمان نگل کر یہ کہتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے گرد جمع ہونے والے لوگ اُسی قبیل کے ہیں جیسے شعرا اور ان کے پیچھے لگے رہنے والے لوگ ہوتے ہیں، تو وہ جھوٹ بولنے میں بے حیائی کی ساری حدیں پار کر گیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ - (الشعراء آیت ۲۲۵)

کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ (یعنی شعراء) ہر وادی میں بھٹکتے ہیں؟

یعنی کوئی ایک متعین راہ نہیں ہے جس پر وہ سوچتے اور اپنی قوتِ گویائی صرف کرتے ہوں۔ بلکہ ان کا توسنِ فکر ایک بے لگام گھوڑے کی طرح ہر وادی میں بھٹکتا پھرتا ہے اور جذبات و خواہشات اور اغراض و مقاصد کی ہر نئی رَو اُن کی زبان سے ایک نیا مضمون ادا کراتی ہے جسے سوچنے اور بیان کرنے میں اِس بات کا کوئی لحاظ سرے سے ہوتا ہی نہیں کہ یہ بات حق اور صدق بھی ہے؟ کبھی ایک لہر اُٹھی تو حکمت و موعظت کی باتیں ہونے لگیں اور کبھی دوسری لہر آئی تو اسی زبان سے انتہائی گندے سِفلی جذبات کا ترشّح شروع ہو گیا۔ کبھی کسی سے خوش ہوئے تو اُسے آسمان پر چڑھا دیا اور کبھی بگڑ بیٹھے تو اسی کو تحت الثّریٰ میں جا گرایا۔ ایک بخیل کو حاتم اور ایک بزدل کو رستم و اسفندیار پر فضیلت دینے میں انہیں ذرا تامّل نہیں ہوتا اگر اس سے کوئی غرض وابستہ ہو۔ اس کے برعکس کسی سے رنج پہنچ جائے تو اُس کی پاک زندگی پر دھبہ لگانے اور اس کی عزت پر خاک پھینکنے میں، بلکہ اس کے نسب

پر طعن کرنے میں بھی ان کو شرم محسوس نہیں ہوتی۔ خدا پرستی اور دہریت، مادہ پرستی اور روحانیت، حسنِ اخلاق اور بد اخلاقی، پاکیزگی اور گندگی، سنجیدگی اور ہزل، قصیدہ اور ہجو سب کچھ ایک ہی شاعر کے کلام میں آپ کو پہلو بہ پہلو مل جائے گا۔ شعراء کی اِن معروف خصوصیات سے جو شخص بھی واقف تھا اس کے دماغ میں یہ بےتکی بات کیسے اتر سکتی تھی کہ اِس قرآن کے لانے والے پر شاعری کی تہمت رکھی جائے جس کی تقریر جچی تُلی، جس کی بات دو ٹوک، جس کی راہ بالکل واضح اور متعین ہے، اور جس نے حق اور راستی اور بھلائی کی دعوت سے ہٹ کر کبھی ایک کلمہ بھی زبان سے نہیں نکالا ہے۔

قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ آپ کے مزاج کو تو شاعری کے ساتھ سرے سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے۔ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ (یٰس آیت ۶۹) "ہم نے اُس کو شعر نہیں سکھایا ہے نہ یہ اس کے کرنے کا کام ہے"۔ یہ ایک ایسی حقیقت تھی کہ جو لوگ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے وہ سب اِسے جانتے تھے۔ معتبر روایات میں آیا ہے کہ کوئی شعر پورا حضورؐ کو یاد نہ تھا۔ دورانِ گفتگو میں کبھی کسی شاعر کا کوئی اچھا شعر زبانِ مبارک پر آ بھی تو غیر موزوں پڑھ جاتے تھے یا اس میں الفاظ کا اُلٹ پھیر ہو جاتا تھا۔ حضرت حسن بصریؒ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ دوران تقریر میں آپ نے شاعر کا مصرع یوں نقل کیا۔

كفى بالاسلام والشيب للمرء ناهيا

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اصل مصرع یوں ہے:

كفى الشيب والاسلام للمرء ناهيا

ایک مرتبہ عباس بن مِرداس سُلَمی سے آپ نے پوچھا کیا تم ہی نے یہ شعر کہا ہے:

اتجعل نهبي ونهب العبيد وبين الاقرع وعيينه

انہوں نے عرض کیا آخری فقرہ یوں نہیں ہے بلکہ یوں ہے، بَيْنَ عُيَيْنَةَ وَالْاَقْرَع۔ آپ نے فرمایا معنی میں تو دونوں یکساں ہیں۔

حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا کہ حضور کبھی اشعار بھی اپنی تقریروں میں استعمال فرماتے تھے؟ انہوں نے فرمایا شعر سے بڑھ کر آپ کو کسی چیز سے نفرت نہ تھی۔ البتہ کبھی کبھار بنی قیس کے شاعر کا ایک شعر پڑھتے تھے مگر اوّل کو آخر اور آخر کو اوّل پڑھ جاتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ عرض کرتے یا رسول اللہ یوں نہیں بلکہ یوں ہے تو

آپ فرماتے "بھائی میں شاعر نہیں ہوں اور نہ شعر گوئی میرے کرنے کا کام ہے"۔ جس قسم کے مضامین سے عرب کی شاعری لبریز تھی وہ یا تو شہوانیت اور عشق بازی کے مضامین تھے، یا شراب نوشی کے، یا قبائلی منافرت اور جنگ وجدل کے، یا نسلی فخر وغرور کے۔ نیکی اور بھلائی کی باتیں اُن میں بہت ہی کم پائی جاتی تھیں۔ پھر جھوٹ، مبالغہ، بہتان، ہجو، بے جا تعریف، ڈینگیں، لعن، پھبتیاں اور مشرکانہ خرافات تو اس شاعری کی رگ رگ میں پیوست تھیں۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے اس شاعری کے متعلق یہ تھی کہ لان یمتلی جوف احدکم قیحا خیر لہ من ان یمتلی شعرا۔ "تم میں سے کسی شخص کا خول پیپ سے بھر جانا اس سے زیادہ بہتر ہے کہ وہ شعر سے بھرے"۔ تاہم جس شعر میں کوئی اچھی بات ہوتی تھی آپ اس کی داد بھی دیتے تھے اور آپ کا ارشاد تھا کہ اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَۃً۔ "بعض اشعار حکیمانہ ہوتے ہیں"۔ اُمیہ بن ابی الصلت کا کلام سُن کر آپ نے فرمایا اٰمَنَ شِعرُہٗ وَکَفَرَ قَلبُہٗ۔ "اس کا شعر مومن ہے مگر اس کا دل کافر ہے"۔ ایک مرتبہ ایک صحابی نے سَو کے قریب عمدہ عمدہ اشعار آپ کو سُنائے اور آپ فرماتے گئے ھیہ "اور سناؤ"۔

وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ — اور وہ ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں۔

(الشعراء - آیت ۲۲۶)

یہ شاعروں کی ایک اور خصوصیت ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کی عین ضد تھی۔ حضورؐ کے متعلق آپ کا ہر جاننے والا جانتا تھا کہ آپ جو کہتے ہیں وہی کرتے ہیں اور جو کرتے ہیں وہی کہتے ہیں۔ آپ کے قول اور فعل کی مطابقت ایسی صریح حقیقت تھی جس سے آپ کے گرد وپیش کے معاشرے میں کوئی انکار نہ کر سکتا تھا۔ اس کے برعکس شعراء کے متعلق کس کو معلوم نہ تھا کہ ان کے ہاں کہنے کی باتیں اور ہیں اور کرنے کی اور؟ سخاوت کا مضمون اِس زور شور سے بیان کریں گے کہ آدمی سمجھے کہ شاید ان سے بڑھ کر دریا دل کوئی نہ ہوگا، مگر عمل میں کوئی دیکھے تو معلوم ہوگا کہ سخت بخیل ہیں۔ بہادری کی باتیں کریں گے مگر خود بزدل ہوں گے۔ بے نیازی اور قناعت اور خودداری کے مضامین باندھیں گے مگر خود حرص وطمع میں ذلت کی آخری حد کو پار کر جائیں گے۔ دوسروں کی ادنیٰ کمزوریوں پر گرفت کریں گے مگر خود بدترین کمزوریوں میں مبتلا ہوں گے۔

مخالفین کے الزامات کا تضاد اور اس پر قرآن کی گرفت

پچھلے صفحات میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کفارِ مکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر متضاد الزامات لگاتے تھے اور کوئی ایک الزام تعین کے ساتھ انہوں نے

کبھی نہیں لگایا۔ قرآن مجید میں اُن کی اسی کمزوری پر گرفت کر کے ان کا جھوٹا ہونا ثابت کیا گیا۔

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ۝ قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ۝ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝ (الطور۔ ۲۹ تا ۳۲)

پس اے نبیؐ! تم نصیحت کیے جاؤ، اپنے رب کے فضل سے نہ تم کاہن ہو اور نہ مجنون۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ شخص شاعر ہے جس کے حق میں ہم گردشِ ایام کا انتظار کر رہے ہیں؟ ان سے کہو اچھا انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ کیا ان کی عقلیں انہیں ایسی ہی باتیں کرنے کے لیے کہتی ہیں؟ یا درحقیقت یہ عناد میں حد سے گزر گئے ہیں۔

ان چند فقروں میں مخالفین کے سارے پروپیگنڈے کی ہوا نکال کر انہیں بالکل بے نقاب کر دیا گیا ہے۔ استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ قریش کے سردار اور شیوخ بڑے عقلمند بنے پھرتے ہیں، مگر کیا ان کی عقل یہی کہتی ہے کہ جو شخص شاعر نہیں ہے اسے شاعر کہو، جسے ساری قوم ایک دانا آدمی کی حیثیت سے جانتی ہے اُسے مجنون کہو، اور جس شخص کا کہانت سے کوئی دور دراز کا تعلق بھی نہیں ہے اسے خواہ مخواہ کاہن قرار دو۔ پھر اگر عقل ہی کی بنا پر یہ لوگ حکم لگاتے تو کوئی ایک حکم لگاتے۔ بہت سے متضاد حکم تو ایک ساتھ نہیں لگا سکتے تھے۔ ایک شخص آخر بیک وقت شاعر، مجنون اور کاہن کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ مجنون ہے تو نہ کاہن ہو سکتا ہے نہ شاعر۔ کاہن ہے تو شاعر نہیں ہو سکتا اور شاعر ہے تو کاہن نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ شعر کی زبان اور اس کے موضوعات بحث الگ ہوتے ہیں اور کہانت کی زبان اور اس کے مضامین الگ۔ ایک ہی کلام کو بیک وقت شعر بھی کہنا اور کہانت بھی قرار دینا کسی ایسے آدمی کا کام نہیں ہو سکتا جو شعر اور کہانت کا فرق جانتا ہو۔ پس یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں یہ متضاد باتیں عقل سے نہیں، بلکہ سراسر ضد اور ہٹ دھرمی سے کی جا رہی ہیں، اور قوم کے یہ بڑے بڑے سردار عناد کے جوش میں اندھے ہو کر محض بے سروپا الزامات لگا رہے ہیں جنہیں کوئی سنجیدہ انسان قابلِ اعتنا نہیں سمجھ سکتا۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل۔ ۴۸)

اے نبیؐ، دیکھو کیسی باتیں ہیں جو یہ لوگ تم پر چھانٹتے ہیں۔ یہ بھٹک گئے ہیں۔ انہیں راستہ نہیں ملتا۔

یعنی یہ تمہارے متعلق کوئی ایک رائے ظاہر نہیں کرتے بلکہ مختلف اوقات میں بالکل مختلف اور متضاد باتیں کہتے

ہیں۔ کبھی کہتے ہیں تم خود جادوگر ہو، کبھی کہتے ہیں تم پر کسی اور نے جادو کر دیا ہے، کبھی کہتے ہیں تم شاعر ہو، کبھی کہتے ہیں تم مجنون ہو اور کبھی یہ کہ کاہن ہو۔ ان کی یہ متضاد باتیں خود اس بات کا ثبوت ہیں کہ حقیقت ان کو معلوم نہیں ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ وہ آئے دن ایک نئی بات چھانٹنے کے بجائے کوئی ایک ہی قطعی رائے ظاہر کرتے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود اپنے کسی قول پر بھی مطمئن نہیں ہیں۔ ایک الزام رکھتے ہیں، پھر آپ ہی محسوس کرتے ہیں کہ یہ چسپاں نہیں ہوتا، اس کے بعد دوسرا الزام لگاتے ہیں اور اسے بھی لگتا ہوا نہ پا کر ایک تیسرا الزام تصنیف کر دیتے ہیں۔ اس طرح ان کا ہر نیا الزام ان کے پہلے الزام کی تردید کر دیتا ہے اور اس سے پتہ چل جاتا ہے کہ صداقت سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے، محض عداوت کی بنا پر ایک سے ایک بڑھ کر جھوٹ گھڑے جا رہے ہیں۔

بَلۡ كَذَّبُوۡا بِالۡحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمۡ فَهُمۡ فِىۡۤ اَمۡرٍ مَّرِيۡجٍ - (قٓ-۵)

بلکہ ان لوگوں نے تو جس وقت حق ان کے پاس آیا اُسی وقت اسے صاف جھٹلا دیا۔ اسی وجہ سے اب یہ اُلجھن میں پڑے ہوئے ہیں۔

اس مختصر سے فقرے میں بھی ایک بہت بڑا مضمون بیان کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے صرف تعجب کرنے اور بعید از عقل ٹھیرانے پر ہی اکتفا نہ کیا، بلکہ جس وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنی دعوتِ حق پیش کی اُسی وقت بلا تامل اُسے قطعی جھوٹ قرار دے دیا۔ اس کا نتیجہ لازماً یہ ہونا تھا اور یہی ہوا کہ انہیں اِس دعوت اور اِس کے پیش کرنے والے رسول کے معاملہ میں کسی ایک موقف پر قرار نہیں ہے۔ کبھی اُس کو شاعر کہتے ہیں تو کبھی کاہن اور کبھی مجنون۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ جادُوگر ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ کسی نے اس پر جادُو کر دیا ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ اپنی بڑائی قائم کرنے کے لیے خود یہ چیز بنا لایا ہے، اور کبھی یہ الزام تراشتے ہیں کہ اس کے پسِ پُشت کچھ دوسرے لوگ ہیں جو یہ کلام گھڑ گھڑ کر اسے دیتے ہیں۔ یہ متضاد باتیں خود ظاہر کرتی ہیں کہ یہ لوگ اپنے موقف میں بالکل اُلجھ کر رہ گئے ہیں۔ اِس اُلجھن میں یہ ہرگز نہ پڑتے اگر جلد بازی کر کے نبیؐ کو پہلے ہی قدم پر جھٹلا نہ دیتے اور بلا فکر و تامل ایک پیشگی فیصلہ صادر کر دینے سے پہلے سنجیدگی کے ساتھ غور کرتے کہ یہ دعوت کون پیش کر رہا ہے، کیا بات کہہ رہا ہے اور اس کے لیے دلیل کیا دے رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ شخص ان کے لیے اجنبی نہ تھا۔ کہیں سے اچانک ان کے درمیان نہ آکھڑا ہوا تھا۔ اِن کی اپنی ہی قوم کا فرد تھا۔ اِن کا اپنا دیکھا بھالا آدمی تھا۔ یہ اُس کی سیرت و کردار اور اُس کی قابلیت سے ناواقف نہ تھے۔ ایسے آدمی کی طرف سے جب ایک بات پیش کی گئی تھی تو چاہے اسے فوراً قبول نہ کر لیا جاتا، مگر وہ اِس کی مستحق بھی تو نہ تھی کہ سنتے ہی اسے رَدّ کر دیا جاتا۔ پھر وہ بات بے دلیل بھی نہ تھی۔ وہ

اس کے لیے دلائل پیش کر رہا تھا۔ چاہیے تھا کہ اُس کے دلائل کھلے کانوں سے سُنے جاتے اور تعصب کے بغیر اُن کو جانچ کر دیکھا جاتا کہ وہ کہاں تک معقول ہیں۔ لیکن یہ روش اختیار کرنے کے بجائے جب ان لوگوں نے ضد میں آکر ابتدا ہی میں اُسے جھٹلا دیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک حقیقت تک پہنچنے کا دروازہ تو انہوں نے اپنے لیے خود بند کر لیا اور ہر طرف بھٹکتے پھرنے کے بہت سے راستے کھول لیے۔ اب یہ اپنی ابتدائی غلطی کو نباہنے کے لیے دس متضاد باتیں تو بنا سکتے ہیں، مگر اس ایک بات کو سوچنے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں کہ نبی سچا بھی ہو سکتا ہے اور اُس کی پیش کردہ بات حقیقت بھی ہو سکتی ہے۔

وَإِذَا رَأَوْكَ إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا ۔ أَهَٰذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ۔ إِن كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ آلِهَتِنَا لَوْلَا أَن صَبَرْنَا عَلَيْهَا۔ (الفرقان ۔ ۴۱-۴۲)

اے نبیؐ، یہ لوگ جب تمہیں دیکھتے ہیں تو بس تمہارا مذاق اُڑانے لگتے ہیں۔ (کہتے ہیں) کیا یہ شخص ہے جسے خدا نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ اس نے تو ہمیں گمراہ کر کے اپنے معبودوں سے برگشتہ ہی کر دیا ہوتا اگر ہم اُن کی عقیدت پر جم نہ گئے ہوتے۔"

کفار کی یہ دونوں باتیں ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ پہلی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کو حقیر سمجھ رہے ہیں اور مذاق اُڑا کر آپ کی قدر گرانا چاہتے ہیں، گویا اُن کے نزدیک آنحضرتؐ نے اپنی حیثیت سے بہت اُونچا دعویٰ کر دیا تھا۔ دوسری بات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کے دلائل کی قوت اور آپ کی شخصیت کا لوہا مان رہے ہیں اور بے ساختہ اعتراف کرتے ہیں کہ اگر ہم تعصّب اور ہٹ دھرمی سے کام لے کر اپنے خداؤں کی بندگی پر جم نہ گئے ہوتے تو یہ شخص ہمارے قدم اُکھاڑ چکا ہوتا۔ یہ متضاد باتیں خود بتا رہی ہیں کہ اسلامی تحریک نے ان لوگوں کو کس قدر بوکھلا دیا تھا۔ کھسیانے ہو کر مذاق بھی اُڑاتے تھے تو احساس کمتری بلا ارادہ ان کی زبان سے وہ باتیں نکلوا دیتا تھا جن سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ دلوں میں وہ اِس طاقت سے کس قدر مرعوب ہیں۔

طرح طرح کے معجزات کا مطالبہ الزامات کی بوچھاڑ کرنے کے ساتھ ساتھ کفارِ قریش بار بار آپؐ سے طرح طرح کے معجزات کا مطالبہ کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن میں جگہ جگہ ان مطالبات کا ذکر آیا ہے اور ان کا جواب دیا گیا ہے۔

وَقَالُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنبُوعًا أَوْ تَكُونَ

اور انہوں نے کہا" ہم تیری بات نہ مانیں گے جب تک کہ تو ہمارے لیے زمین کو پھاڑ کر ایک چشمہ

لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ
فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝
اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ
عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ
قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ
زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَ
لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ
عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ
رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝
(بنی اسرائیل ۹۰ تا ۹۳)

جاری نہ کر دے۔ یا تیرے لیے کھجوروں اور انگوروں کا
ایک باغ پیدا ہو اور تو اس میں نہریں رواں کر دے۔
یا تو آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اُوپر گرا دے
جیسا کہ تیرا دعوٰی ہے۔ یا خدا اور فرشتوں کو رُو در رُو
ہمارے سامنے لے آئے۔ یا تیرے لیے سونے کا ایک گھر
بن جائے۔ یا تو آسمان پر چڑھ جائے، اور تیرے چڑھنے کا
بھی ہم یقین نہ کریں گے جب تک تو ہمارے اُوپر ایک
ایسی تحریر نہ اُتار لائے جسے ہم پڑھیں"۔ اے محمد صلی اللہ
علیہ وسلم ان سے کہو، "پاک ہے میرا پروردگار! کیا میں ایک
پیغام لانے والے انسان کے سوا اور بھی کچھ ہوں"؟

معجزات کے مطالبے کا ایک جواب اسی سورہ کی آیت ۵۹ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ میں گزر چکا ہے[1]۔ اب یہاں اسی مطالبے کا دوسرا جواب دیا گیا ہے۔ اس مختصر سے جواب کی بلاغت تعریف سے بالاتر ہے۔ مخالفین کا مطالبہ یہ تھا کہ اگر تم پیغمبر ہو تو ابھی زمین کی طرف اشارہ کرو اور یکایک ایک چشمہ پھوٹ بہے۔ یا فوراً ایک لہلہاتا باغ پیدا ہو جائے اور اس میں نہریں جاری ہو جائیں۔ آسمان کی طرف اشارہ کرو اور تمہارے جھٹلانے والوں پر آسمان ٹکڑے ہو کر گر جائے۔ ایک پھونک مارو اور چشم زدن میں سونے کا ایک محل بن کر تیار ہو جائے۔ ایک آواز دو اور ہمارے سامنے خدا اور اس کے فرشتے فوراً آ کھڑے ہوں اور وہ شہادت دیں کہ ہم ہی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے۔ یا ہماری آنکھوں کے سامنے آسمان پر چڑھ کر جاؤ اور اللہ میاں سے ایک خط ہمارے نام لکھوا لاؤ جسے ہم ہاتھ سے چھوئیں اور آنکھوں سے پڑھیں ——— ان لمبے چوڑے مطالبوں کا بس یہ جواب دے کر چھوڑ دیا گیا کہ "ان سے کہو، پاک ہے میرا پروردگار! کیا میں ایک پیغام لانے والے انسان

[1] وہ جواب یہ تھا کہ جو معجزات کسی نبی کی دلیل نبوت کے طور پر پیش کیے گئے ہوں اُن کو دیکھ کر بھی جب کوئی قوم نبی کو جھٹلا دیتی ہے تو اس پر لازماً خدا کا عذاب نازل ہو جاتا ہے اور اس کی بکثرت مثالیں تاریخ میں گزر چکی ہیں۔ اب یہ سراسر اللہ کی رحمت ہے کہ وہ ایسا کوئی معجزہ نہیں بھیج رہا ہے۔ مگر تم لوگ ایسے نادان ہو کہ اس کا مطالبہ کر رہے ہو۔

کے سوا اور بھی کچھ ہوں"؟ یعنی بیوقوفو! کیا میں نے خدا ہونے کا دعوٰی کیا تھا کہ تم یہ مطالبے مجھ سے کرنے لگے؟ میں نے تم سے کب کہا تھا کہ میں قادرِ مطلق ہوں؟ میں نے کب کہا تھا کہ زمین و آسمان پر میری حکومت چل رہی ہے؟ میرا دعوٰی تو اوّل روز سے یہی تھا کہ میں خدا کی طرف سے پیغام لانے والا ایک انسان ہوں۔ تمہیں جانچنا ہے تو میرے پیغام کو جانچو۔ ایمان لانا ہے تو اس پیغام کی صداقت و معقولیت دیکھ کر ایمان لاؤ۔ انکار کرنا ہے تو اس پیغام میں کوئی نقص نکال کر دکھاؤ۔ میری صداقت کا اطمینان کرنا ہے تو ایک انسان ہونے کی حیثیت سے میری زندگی کو، میرے اخلاق کو، میرے کام کو دیکھو۔ یہ سب چھوڑ کر تم مجھ سے یہ کیا مطالبہ کرنے لگے کہ زمین پھاڑو اور آسمان گراؤ؟ آخر پیغمبری کا اِن کاموں سے کیا تعلق ہے؟

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (العنکبوت ۵۰-۵۱)

یہ لوگ کہتے ہیں کہ "کیوں نہ اُتاری گئیں اس شخص پر نشانیاں (یعنی معجزات) اس کے رب کی طرف سے؟" اے نبی کہو "نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور میں بس ایک صاف صاف خبردار کر دینے والا ہوں"۔ اور کیا ان لوگوں کے لیے یہ (نشانی) کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے؟ درحقیقت اس میں رحمت ہے اور نصیحت ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔

یعنی اُمّی ہونے کے باوجود تم پر قرآن جیسی کتاب کا نازل ہونا، کیا یہ بجائے خود اتنا بڑا معجزہ نہیں ہے کہ تمہاری رسالت پر ایمان لانے کے لیے یہ کافی ہو؟ کیا اس کے بعد بھی کسی اور معجزے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ دوسرے معجزے تو جنہوں نے دیکھے اُن کے لیے وہ معجزے تھے۔ مگر یہ معجزہ تو ہر وقت تمہارے سامنے ہے۔ تمہیں آئے دن پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔ تم ہر وقت اسے دیکھ سکتے ہو۔

بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ۝ كَلَّا ۭ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۝ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ

بلکہ ان میں سے تو ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ اُس کے نام کھلے خط بھیجے جائیں۔ ہرگز نہیں، اصل بات یہ ہے کہ یہ آخرت کا خوف نہیں رکھتے۔ ہرگز نہیں، یہ تو ایک نصیحت ہے، اب جس کا جی چاہے اس سے سبق

ذَکَرَہٗ (المدثر۔ ۵۲ تا ۵۵) حاصل کرلے۔

یعنی یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اگر واقعی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی مقرر فرمایا ہے تو وہ مکّے کے ایک ایک سردار اور ایک ایک شیخ کے نام ایک خط لکھ کر بھیجے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے نبی ہیں، تم ان کی پیروی قبول کرو۔ اور یہ خط ایسے ہوں جنہیں دیکھ کر انہیں یقین آجائے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے یہ لکھ کر بھیجے ہیں۔ ایک اور مقام پر قرآن مجید میں کفارِ مکہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ "ہم نہ مانیں گے جب تک وہ چیز خود ہم کو نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی گئی ہے"۔ (الانعام، ۱۲۴)ایک دوسری جگہ ان کا یہ مطالبہ نقل کیا گیا ہے کہ "آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھیں اور وہاں سے ایک لکھی لکھائی کتاب لاکر ہمیں دیں جسے ہم پڑھیں"۔ (بنی اسرائیل۔ ۹۳)۔ جواب میں فرمایا گیا کہ ان کا یہ مطالبہ ہرگز پورا نہیں کیا جائے گا۔ ان کے ایمان لانے کی اصل وجہ یہ ہے ہی نہیں کہ اُن کے ایسے مطالبے پورے نہیں کیے جاتے، بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ یہ آخرت سے بے خوف ہیں۔ اِنھوں نے سب کچھ اِسی دنیا کو سمجھ رکھا ہے اور اِنہیں یہ خیال نہیں ہے کہ اس دنیا کی زندگی کے بعد کوئی اور زندگی بھی ہے جس میں اِن کو اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ اِسی چیز نے اِن کو دنیا میں بے فکر اور غیر ذمہ دار بنا دیا ہے۔ یہ حق اور باطل کے سوال کو سرے سے بے معنی سمجھتے ہیں، کیونکہ انہیں دنیا میں کوئی حق ایسا نظر نہیں آتا جس کی پیروی کا نتیجہ دنیا میں لازماً اچھا ہی نکلتا ہو، اور نہ کوئی باطل ایسا نظر آتا ہے جس کا نتیجہ دنیا میں ضرور بُرا ہی نکلا کرتا ہو۔ اس لیے یہ اس مسئلے پر غور کرنا لاحاصل سمجھتے ہیں کہ فی الواقع حق کیا ہے اور باطل کیا؟ یہ مسئلہ سنجیدگی کے ساتھ اگر قابلِ غور ہو سکتا ہے تو صرف اُس شخص کے لیے جو دنیا کی موجودہ زندگی کو ایک عارضی زندگی سمجھتا ہو اور یہ تسلیم کرتا ہو کہ اصلی اور ابدی زندگی آخرت کی زندگی ہے جہاں حق کا انجام لازماً اچھا ہوگا اور باطل کا انجام لازماً بُرا ہوگا۔ ایسا شخص تو اُن معقول دلائل اور اُن پاکیزہ تعلیمات کو دیکھ کر ایمان لائے گا جو قرآن میں پیش کی گئی ہیں، اور اپنی عقل سے کام لے کر یہ سمجھنے کی کوشش کرے گا کہ قرآن جن عقائد اور اعمال کو غلط کہہ رہا ہے ان میں فی الواقع کیا غلطی ہے۔ لیکن آخرت کا منکر جو سرے سے تلاشِ حق میں سنجیدہ ہی نہیں ہے وہ ایمان نہ لانے کے لیے آئے دن نت نئے مطالبے پیش کرے گا، حالانکہ اس کا خواہ کوئی مطالبہ

---

[۱] سورۂ انعام میں اس کا مختصر جواب یہ دیا گیا ہے کہ اَللّٰہُ یَعۡلَمُ حَیۡثُ یَجۡعَلُ رِسَالَتَہٗ ؕ "اللہ خود زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی پیغمبری کا کام کس سے لے اور کس طرح لے"۔

بھی پورا کر دیا جائے وہ انکار کرنے کے لیے کوئی دوسرا بہانہ ڈھونڈ نکالے گا۔ یہی بات ہے جو سورۃ انعام میں فرمائی گئی ہے کہ " اے نبیؐ! اگر ہم تمہارے اُوپر کاغذ میں لکھی لکھائی کوئی کتاب بھی اُتار دیتے اور لوگ اُسے اپنے ہاتھوں سے چھو کر بھی دیکھ لیتے تو جنہوں نے حق کا انکار کیا ہے وہ یہی کہتے کہ یہ تو صریح جادو ہے" (انعام-۷)

وَقَالُوا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ	وہ کہتے ہیں کہ اس نبی پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اُتارا
وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ	گیا؟ اگر کہیں ہم نے فرشتہ اُتار دیا ہوتا تو اب تک کبھی کا
لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا	فیصلہ ہو چکا ہوتا، پھر انہیں کوئی مہلت نہ دی جاتی۔
لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ	اور اگر ہم فرشتے کو اُتارتے تب بھی اسے انسانی شکل
مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝	میں اُتارتے اور اس طرح انہیں اُسی شبہ میں ڈال دیتے
(الانعام ۔ ۸ - ۹)	جس میں اب یہ مبتلا ہیں۔

ان لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ جب یہ شخص خدا کی طرف سے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے تو آسمان سے ایک فرشتہ اُترنا چاہیے تھا جو لوگوں سے کہتا کہ یہ خدا کا پیغمبر ہے، اس کی بات مانو ورنہ تمہیں سزا دی جائے گی۔ جاہل معترضین کو اس بات پر تعجب تھا کہ خالقِ ارض و سماء کسی کو پیغمبر مقرر کرے اور پھر اِس طرح اُسے بے یار و مددگار پتھر کھانے اور گالیاں سُننے کے لیے چھوڑ دے۔ اتنے بڑے بادشاہ کا سفیر اگر کسی بڑے اسٹاف کے ساتھ نہ آیا تھا تو کم ازکم ایک فرشتہ تو اس کی اردلی میں دینا چاہیے تھا تاکہ وہ اس کی حفاظت کرتا، اس کا رعب بٹھاتا، اس کی ماموریت کا یقین دلاتا اور فوق الفطری طریقے سے اس کے کام انجام دیتا۔

اس کا پہلا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر فرشتہ اپنی اصلی صورت میں بھیج دیا جاتا تو فیصلہ چکا دینے کا وقت آجاتا اور پھر مہلت نہ دی جاتی۔ ایمان لانے اور اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کر لینے کے لیے جو مہلت تمہیں ملی ہوئی ہے یہ اُسی وقت تک ہے جب تک حقیقت پردۂ غیب میں پوشیدہ ہے۔ ورنہ جہاں غیب کا پردہ چاک ہوا، پھر مہلت کا کوئی موقع باقی نہ رہے گا۔ اُس کے بعد تو صرف حساب ہی لینا باقی رہ جائے گا۔ اس لیے کہ دنیا کی زندگی تمہارے لیے ایک امتحان کا زمانہ ہے اور امتحان اس امر کا ہے کہ تم حقیقت کو دیکھے بغیر عقل و فکر کے صحیح استعمال سے اُس کا ادراک کرتے ہو یا نہیں اور ادراک کرنے کے بعد اپنے نفس اور اس کی خواہشات کو قابو میں لاکر اپنے عمل کو حقیقت کے مطابق درست رکھتے ہو یا نہیں۔ اس امتحان کے لیے غیب کا غیب رہنا شرطِ لازم ہے۔ اور تمہاری دنیوی زندگی، جو دراصل مہلتِ امتحان ہے اُسی وقت تک قائم رہ سکتی ہے جب تک غیب، غیب ہے۔

جہاں غیب شہادت میں تبدیل ہوا، یہ مہلت لازماً ختم ہو جائے گی اور امتحان کے بجائے نتیجۂ امتحان نکلنے کا وقت آپہنچے گا۔ لہٰذا تمہارے مطالبہ کے جواب میں یہ ممکن نہیں ہے کہ تمہارے سامنے فرشتے کو اس کی اصلی صورت میں نمایاں کر دیا جائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ابھی تمہارے امتحان کی مدت ختم نہیں کرنا چاہتا۔

اس کے بعد دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر فرشتہ انسانی صورت میں آتا تو تمہیں وہی شبہات لاحق ہوتے جو اب نبی کے بارے میں لاحق ہو رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ فرشتے کے آنے کی ایک صورت یہ ہو سکتی تھی کہ وہ لوگوں کے سامنے علانیہ اپنی اصلی غیبی صورت میں ظاہر ہوتا۔ لیکن اوپر بتا دیا گیا ہے کہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ اب دوسری صورت یہ باقی رہ گئی کہ وہ انسانی صورت میں آئے۔ اس کے متعلق فرمایا جا رہا ہے کہ اگر وہ انسانی صورت میں آئے تو اس کے مامور من اللہ ہونے میں بھی تم کو وہی اشتباہ پیش آئے گا جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مامور من اللہ ہونے میں پیش آ رہا ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓي اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا مِنْ دَاۗبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰۗىِٕرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۭ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ۭ

(الانعام - ۳۷ - ۳۹)

یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس (نبی) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی (یعنی محسوس معجزہ) کیوں نہیں اتاری گئی؟ ان سے کہو کہ اللہ نشانی اتارنے کی پوری قدرت رکھتا ہے مگر ان میں سے اکثر لوگ نادانی میں مبتلا ہیں۔ زمین میں چلنے والے کسی جانور اور ہوا میں پروں سے اڑنے والے کسی پرندے کو دیکھ لو۔ یہ سب تمہاری ہی طرح کی انواع ہیں۔ ہم نے ان کی تقدیر کے نوشتے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ پھر یہ سب اپنے رب کی طرف سمیٹے جاتے ہیں مگر جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں وہ بہرے گونگے بنے تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔

اِس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ معجزہ نہ دکھانے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اللہ اس کے دکھانے پر قادر نہیں ہے بلکہ اِس کی وجہ کچھ اور ہے جسے تم لوگ اپنی نادانی کی وجہ سے نہیں سمجھ رہے ہو۔ اگر تمہیں محض تماش بینی کا شوق نہیں ہے، بلکہ فی الواقع یہ معلوم کرنے کے لیے نشانی دیکھنا چاہتے ہو کہ یہ نبی جس چیز کی طرف بلا رہا ہے وہ امرِ حق ہے یا نہیں، تو آنکھیں کھول کر دیکھو، تمہارے گرد و پیش ہر طرف نشانیاں ہی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ زمین کے جانوروں اور

ہوا کے پرندوں کی کسی ایک نوع کو لے کر اس کی زندگی پر غور کرو۔ کس طرح اس کی ساخت ٹھیک اس کے مناسبِ حال بنائی گئی ہے۔ کس طرح اس کی جبلّت میں اس کی فطری ضرورتوں کے عین مطابق قوتیں ودیعت کی گئی ہیں۔ کس طرح اس کی رزق رسانی کا انتظام ہو رہا ہے۔ کس طرح اس کی ایک تقدیر مقرر ہے جس کے حدود سے نہ وہ آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے۔ کس طرح ان میں سے ایک ایک جانور اور ایک ایک چھوٹے سے چھوٹے کیڑے کی اسی مقام پر جہاں وہ ہے خبر گیری، نگرانی، حفاظت اور رہنمائی کی جا رہی ہے۔ کس طرح اس سے ایک مقرر اسکیم کے مطابق کام لیا جا رہا ہے۔ کس طرح اسے ایک ضابطہ کا پابند بنا کر رکھا گیا ہے۔ اور کس طرح اس کی پیدائش، تناسل اور موت کا سلسلہ پوری باقاعدگی کے ساتھ چل رہا ہے۔ اگر خدا کی بیشمار نشانیوں میں سے صرف اسی ایک نشانی پر غور کرو تو تمھیں معلوم ہو جائے کہ خدا کی توحید اور اس کی صفات کا جو تصور یہ پیغمبر تمہارے سامنے پیش کر رہا ہے اور اس تصور کے مطابق دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لیے جس رویہ کی طرف تمھیں دعوت دے رہا ہے وہ عین حق ہے۔ لیکن تم لوگ نہ خود اپنی آنکھیں کھول کر دیکھتے ہو نہ کسی سمجھانے والے کی بات سنتے ہو۔ جہالت کی تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہو اور چاہتے ہو کہ عجائبِ قدرت کے کرشمے دکھا کر تمہارا دل بہلایا جائے۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ	اور کیا ہو جاتا اگر کوئی قرآن ایسا اُتار دیا جاتا جس
اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ	کے زور سے پہاڑ چلنے لگتے، یا زمین شق ہو جاتی، یا
بِهِ الْمَوْتٰى (الرعد ۱۳:۳۱)	مُردے قبروں سے نکل کر بولنے لگتے؟

اس آیت کو سمجھنے کے لیے یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ اس میں خطاب کفار سے نہیں بلکہ مسلمانوں سے ہے۔ مسلمان جب بار بار کفار کی طرف سے نشانی کا مطالبہ سنتے تھے تو ان کے دلوں میں بے چینی پیدا ہوتی تھی کہ کاش! ان لوگوں کو کوئی ایسی نشانی دکھا دی جاتی جس سے یہ لوگ قائل ہو جاتے۔ پھر جب وہ محسوس کرتے تھے کہ اس طرح کی کسی نشانی کے نہ آنے کی وجہ سے کفار کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے متعلق لوگوں کے دلوں میں شبہات پھیلانے کا موقع مل رہا ہے تو ان کی یہ بے چینی اور بھی زیادہ بڑھ جاتی تھی۔ اس پر مسلمانوں سے فرمایا گیا کہ اگر قرآن کی کسی سورۃ کے ساتھ ایسی اور ایسی نشانیاں یکایک دکھا دی جاتیں تو کیا واقعی تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ لوگ ایمان لے آتے؟ کیا تمھیں ان سے یہ خوش گمانی ہے کہ یہ قبولِ حق کے لیے بالکل تیار بیٹھے ہیں، صرف ایک نشانی کے ظہور کی کسر ہے؟ جن لوگوں کو قرآن کی تعلیم میں، کائنات کے آثار میں، نبیؐ کی پاکیزہ زندگی میں، اصحابِ نبیؐ

کے انقلابِ حیات میں نورِ حق نظر نہ آیا کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ پہاڑوں کے چلنے اور زمین کے پھٹنے اور مُردوں کے قبروں سے نکل آنے میں کوئی روشنی پا لیں گے؟

حضورؐ کی رسالت کا صریح ثبوت

اس طرح کفار نے جتنے بھی الزامات و اعتراضات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر کیے اور اُس کا ثبوت مانگنے کے لیے جتنے بھی معجزات دکھانے کے مطالبات کیے، ان میں سے ایک ایک کا نہایت معقول جواب دے کر یہ گنجائش باقی نہیں رہنے دی گئی کہ کوئی شخص عقل و استدلال کی بنیاد پر آپ کی رسالت کو مشتبہ ثابت کر سکتا۔ پھر تین ایسے صریح ثبوت آپ کی رسالت کے حق میں پیش کیے گئے جن سے مکہ اور اس کے اطراف میں رہنے والے کسی شخص کے لیے انکار ممکن نہ تھا۔ ذیل میں ہم ان کو سلسلہ وار درج کرتے ہیں:

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ (العنکبوت ۴۸)

(اے نبیؐ) تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ سکتے تھے۔

اس آیت میں استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اَن پڑھ تھے۔ آپ کے اہل وطن اور رشتہ و برادری کے لوگ، جن کے درمیان روزِ پیدائش سے سنِ کہولت کو پہنچنے تک آپ کی ساری زندگی بسر ہوئی تھی، اس بات سے خوب واقف تھے کہ آپ نے عمر بھر نہ کبھی کوئی کتاب پڑھی، نہ قلم ہاتھ میں لیا۔ اس امرِ واقعہ کو پیش کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ کتبِ آسمانی کی تعلیمات، انبیاءِ سابقین کے حالات، مذاہب و ادیان کے عقائد، قدیم قوموں کی تاریخ، اور تمدن و اخلاق و معیشت کے اہم مسائل پر جس وسیع اور گہرے علم کا اظہار اس اُمّی کی زبان سے ہو رہا ہے یہ اُس کو وحی کے سوا کسی دوسرے ذریعے سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر اس کو نوشت و خواند کا علم ہوتا اور لوگوں نے اسے کبھی کتابیں پڑھتے اور مطالعہ و تحقیق کرتے دیکھا ہوتا تو باطل پرستوں کے لیے یہ شک کرنے کی کچھ بنیاد ہو بھی سکتی تھی کہ یہ علم وحی سے نہیں بلکہ اخذ و اکتساب سے حاصل کیا گیا ہے۔ لیکن اُس کی اُمیت نے تو ایسے کسی شک کے لیے برائے نام بھی کوئی بنیاد باقی نہیں چھوڑی ہے۔ اب خالص ہٹ دھرمی کے سوا اُس کی نبوت کا انکار کرنے کی اور کوئی وجہ نہیں ہے جسے کسی درجہ میں بھی معقول کہا جا سکتا ہو۔

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ

اے نبیؐ، ان سے کہو کہ "اگر اللہ کی مشیت یہی ہوتی (کہ میں نبی نہ بنایا جاؤں)، تو میں یہ قرآن تمہیں کبھی نہ سناتا اور

لَبِثۡتُ فِيۡكُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ۞ اللہ تمہیں اس کی خبر تک نہ دیتا - آخر اس سے پہلے میں ایک عمر تمہارے درمیان گزار چکا ہوں، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟"

(یونس - ۱۶)

یہ ایک زبردست دلیل ہے کفار مکہ کے اس خیال کی تردید میں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کو خود اپنے دل سے گھڑ کر خدا کی طرف منسوب کر رہے ہیں، اور حضورؐ کے اس دعوے کی تائید میں کہ آپ خود اس کے مصنف نہیں ہیں بلکہ یہ خدا کی طرف سے بذریعہ وحی ان پر نازل ہو رہا ہے - دوسرے تمام دلائل تو بہت دور کی چیز تھے، مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تو ان لوگوں کے سامنے کی چیز تھی - آپؐ نے نبوت سے پہلے پورے چالیس سال ان کے درمیان گزارے تھے - ان کے شہر میں پیدا ہوئے، اُن کی آنکھوں کے سامنے بچپن گزارا، جوان ہوئے، ادھیڑ عمر کو پہنچے - رہنا سہنا، ملنا جلنا، لین دین، شادی بیاہ، غرض ہر قسم کا معاشرتی تعلق انہی کے ساتھ تھا اور آپ کی زندگی کا کوئی پہلو اُن سے چھپا ہوا نہ تھا - ایسی جانی بوجھی اور دیکھی بھالی چیز سے زیادہ کھلی شہادت اور کیا ہو سکتی تھی -

آپ کی اس زندگی میں دو باتیں بالکل عیاں تھیں جنہیں مکہ کے لوگوں میں سے ایک ایک شخص جانتا تھا:

ایک یہ کہ نبوت سے پہلے کی پوری چالیس سالہ زندگی میں آپ نے کوئی ایسی تعلیم، تربیت اور صحبت نہیں پائی جس سے آپ کو یہ معلومات حاصل ہوتیں جن کے چشمے یکایک دعوائے نبوت کے ساتھ ہی آپ کی زبان سے پھوٹنے شروع ہو گئے - اس سے پہلے کبھی آپ اُن مسائل سے دلچسپی لیتے ہوئے، اُن مباحث پر گفتگو کرتے ہوئے، اور اُن خیالات کا اظہار کرتے ہوئے نہیں دیکھے گئے جو اب قرآن کی ان پے در پے سورتوں میں زیر بحث آ رہے تھے - حد یہ ہے کہ اس پورے چالیس سال کے دوران میں کبھی آپ کے کسی گہرے دوست اور کسی قریب ترین رشتہ دار نے بھی آپ کی باتوں اور آپ کی حرکات و سکنات میں کوئی ایسی چیز محسوس نہیں کی جسے اُس عظیم الشان دعوت کی تمہید کہا جا سکتا ہو جو آپ نے اچانک چالیسویں سال کو پہنچ کر دینی شروع کر دی - یہ اس بات کا صریح ثبوت تھا کہ قرآن آپ کے اپنے دماغ کی پیداوار نہیں ہے، بلکہ خارج سے آپ کے اندر آئی ہوئی چیز ہے - اس لیے کہ انسانی دماغ اپنی عمر کے کسی مرحلے میں بھی ایسی کوئی چیز پیش نہیں کر سکتا جس کے نشوونما اور ارتقاء کے واضح نشانات اُس سے پہلے کے مرحلوں میں نہ پائے جاتے ہوں - یہی وجہ ہے کہ مکہ کے بعض چالاک لوگوں نے جب خود محسوس کر لیا کہ قرآن کو آپ کے دماغ کی پیداوار قرار دینا صریح طور پر ایک لغو الزام ہے تو آخر کو انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ کوئی

اور شخص ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ باتیں سکھا دیتا ہے۔ لیکن یہ دوسری بات پہلی بات سے بھی زیادہ لغو تھی۔ کیونکہ مکّہ تو درکنار، پورے عرب میں کوئی اس قابلیت کا آدمی نہ تھا جس پر انگلی رکھ کر کہہ دیا جاتا کہ یہ اِس کلام کا مصنّف ہے یا ہو سکتا ہے۔ ایسی قابلیت کا آدمی کسی سوسائٹی میں چھپا کیسے رہ سکتا ہے۔

دوسری بات جو آپ کی سابق زندگی میں بالکل نمایاں تھی، وہ یہ تھی کہ جھوٹ، فریب، جعل، مکاری، عیاری اور اس قبیل کے دوسرے اوصاف میں سے کسی کا ادنیٰ شائبہ تک آپ کی سیرت میں نہ پایا جاتا تھا۔ پوری سوسائٹی میں کوئی ایسا نہ تھا جو یہ کہہ سکتا ہو کہ اس چالیس سال کی یکجائی معاشرت میں آپ سے کسی ایسی صفت کا تجربہ اُسے ہوا ہے۔ برعکس اس کے جن جن لوگوں کو بھی آپ سے سابقہ پیش آیا تھا وہ آپ کو ایک نہایت سچے، بے داغ، اور قابلِ اعتماد (امین) انسان کی حیثیت ہی سے جانتے تھے۔ اب یہ گمان کرنے کی کیا گنجائش تھی کہ جس شخص نے تمام عمر کبھی اپنی زندگی کے کسی چھوٹے سے چھوٹے معاملہ میں بھی جھوٹ، جعل اور فریب سے کام نہ لیا تھا وہ یکایک اتنا بڑا جھوٹ اور ایسا عظیم الشان جعل و فریب لے کر اُٹھ کھڑا ہوا کہ اپنے ذہن سے کچھ باتیں تصنیف کیں اور ان کو پورے زور اور تحدّی کے ساتھ خدا کی طرف منسوب کرنے لگا۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے اس بیہودہ الزام کے جواب میں ان سے کہو کہ اللہ کے بندو، کچھ عقل سے تو کام لو۔ میں کوئی باہر سے آیا ہوا اجنبی آدمی تو نہیں ہوں، تمہارے درمیان ایک عمر اس سے پہلے گزار چکا ہوں۔ میری سابق زندگی کو دیکھتے ہوئے تم کیسے یہ توقع مجھ سے کر سکتے ہو کہ میں خدا کی تعلیم اور اس کے حکم کے بغیر یہ قرآن تمہارے سامنے پیش کر سکتا تھا؟

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ۔ (القصص - ۸۶)	اور اے نبیؐ، تم اس بات کے ہرگز اُمیدوار نہ تھے کہ تم پر کتاب نازل کی جائے گی۔ یہ تو محض تمہارے رب کی مہربانی ہے (کہ یہ تم پر نازل ہوئی ہے)۔

یہ ایک اور دلیل تھی جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ثبوت میں پیش کی گئی۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام بالکل بے خبر تھے کہ انہیں نبی بنایا جانے والا ہے اور ایک عظیم الشان مشن پر وہ مامور کیے جانے والے ہیں، ان کے حاشیۂ خیال میں بھی اس کا ارادہ یا خواہش تو درکنار اس کی توقع تک کبھی نہ گزری تھی، بس یکایک راہ چلتے انہیں کھینچ بلایا گیا اور نبی بنا کر وہ حیرت انگیز کام ان سے لیا گیا جو ان کی سابق زندگی سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا تھا، ٹھیک ایسا ہی معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی پیش آیا۔ مکہ کے لوگ خود جانتے تھے کہ غارِ حرا سے جس روز آپ نبوت کا پیغام لے کر اترے اس سے ایک دن پہلے تک آپ کی زندگی کیا تھی، آپ کے مشاغل کیا تھے، آپ کی بات چیت کیا تھی، آپ کی گفتگو کے موضوعات کیا تھے، آپ کی دلچسپیاں اور سرگرمیاں کس نوعیت کی تھیں۔ یہ پوری زندگی

صداقت، دیانت، امانت اور پاکبازی سے لبریز ضرور تھی۔ اس میں انتہائی شرافت، امن پسندی، پاسِ عہد، ادائے حقوق اور خدمتِ خلق کا رنگ بھی غیر معمولی شان کے ساتھ نمایاں تھا۔ مگر اس میں کوئی چیز ایسی موجود نہ تھی جس کی بناء پر کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ خیال گزر سکتا ہو کہ یہ نیک بندہ کل نبوت کا دعویٰ لے کر اُٹھنے والا ہے۔ آپ سے قریب ترین ربط ضبط رکھنے والوں میں، آپ کے رشتہ داروں، ہمسایوں اور دوستوں میں کوئی شخص یہ نہ کہہ سکتا تھا کہ آپ پہلے سے نبی بننے کی تیاری کر رہے تھے۔ کسی نے اُن مضامین اور مسائل اور موضوعات کے متعلق کبھی ایک لفظ تک آپ کی زبان سے نہ سنا تھا جو غارِ حرا کی اُس انقلابی ساعت کے بعد یکایک آپ کی زبان پر جاری ہونے شروع ہو گئے۔ کسی نے آپ کو وہ مخصوص زبان اور وہ الفاظ اور اصطلاحات استعمال کرتے نہ سنا تھا جو اچانک قرآن کی صورت میں لوگ آپ سے سننے لگے۔ کبھی آپ وعظ کہنے کھڑے نہ ہوئے تھے۔ کبھی کوئی دعوت اور تحریک لے کر نہ اُٹھے تھے۔ بلکہ کبھی آپ کی کسی سرگرمی سے یہ گمان تک نہ ہو سکتا تھا کہ آپ اجتماعی مسائل کے حل، یا مذہبی اصلاح، یا اخلاقی اصلاح کے لیے کوئی کام شروع کرنے کی فکر میں ہیں۔ اُس انقلابی ساعت سے ایک دن پہلے تک آپ کی زندگی ایک ایسے تاجر کی زندگی نظر آتی تھی جو سیدھے سادھے جائز طریقوں سے اپنی روزی کماتا ہے، اپنے بال بچوں کے ساتھ ہنسی خوشی رہتا ہے، مہمانوں کی تواضع، غریبوں کی مدد اور رشتہ داروں سے حسن سلوک کرتا ہے، اور کبھی کبھی عبادت کرنے کے لیے خلوت میں جا بیٹھتا ہے۔ ایسے شخص کا یکایک ایک عالمگیر زلزلہ ڈال دینے والی خطابت کے ساتھ اُٹھنا، ایک انقلاب انگیز دعوت شروع کر دینا، ایک نرالا لٹریچر پیدا کر دینا، ایک مستقل فلسفۂ حیات اور نظامِ فکر و اخلاق و تمدن لے کر سامنے آجانا، اتنا بڑا تغیّر تھا جو انسانی نفسیات کے لحاظ سے کسی بناوٹ اور تیاری اور ارادی کوشش کے نتیجے میں قطعاً رونما نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لیے کہ ایسی ہر کوشش اور تیاری بہرحال تدریجی ارتقاء کے مراحل سے گزرتی ہے اور یہ مراحل اُن لوگوں سے کبھی مخفی نہیں رہ سکتے جن کے درمیان آدمی شب و روز زندگی گزارتا ہو۔ اگر آنحضرت ﷺ کی زندگی اِن مراحل سے گزری ہوتی تو مکّہ میں سینکڑوں زبانیں یہ کہنے والی ہوتیں کہ ہم نہ کہتے تھے کہ یہ شخص ایک دن کوئی بڑا دعویٰ لے کر اُٹھنے والا ہے۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ کفارِ مکّہ نے آپ پر ہر طرح کے اعتراضات کیے، مگر یہ اعتراض کرنے والا اُن میں سے کوئی ایک شخص بھی نہ تھا۔

پھر یہ بات کہ آپ خود بھی نبوت کے خواہش مند، یا اس کے لیے متوقع اور منتظر نہ تھے، بلکہ پوری بے خبری کی حالت میں اچانک آپ کو اس معاملہ سے سابقہ پیش آگیا، اس کا ثبوت اُس واقعہ سے ملتا ہے جو احادیث میں آغازِ وحی کی کیفیت کے متعلق موجود ہے۔ (چونکہ اس سے پہلے ہم "آغاز رسالت" کے باب میں اس کی تفصیل درج کر چکے ہیں، اس لیے یہاں اس کے اعادے کی حاجت نہیں ہے)۔

(باقی)